بشر سے انسان کی طرف ارتقا

قرآن حکیم میں انسان کیلئے دو مختلف الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ایک "بشر" اور دوسرا "انسان"۔ جہاں جہاں قرآن حکیم میں لفظ "بشر" آیا ہے اس سے مراد انسان بحیثیت نوع ہے۔ چوپایوں کے برعکس "بشر" دو ٹانگوں پر چلنے پھرنے والے حیوان کا وہ نوع ہے جو موجودات کے سلسلے کے نکتہ کمال پر ظاہر ہوا۔ اور تب سے اب تک روئے زمین پر موجود ہے۔ لیکن جہاں قرآن میں لفظ "انسان" استعمال ہوا ہے اُس سے مراد صرف نوعِ حیوان نہیں بلکہ انسان معاشرت اور اجتماعی زندگی کے حوالے سے ایک بلند اور منفرد حقیقت ہے اور ایسے اوصاف اور خصائص سے مزین ہے جو کسی دوسری مخلوق میں نہیں ہیں۔ کائنات میں جو بھی تخلیق ہے وہ اللہ تعالیٰ نے "کن" کے حکم سے پیدا فرمائی ہے۔ لیکن انسان کیلئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ " خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ "۔ (ص: ۷۵) میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ " وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي "(الحجر۔۲۹) "اور اس میں اپنی روح پھونک دوں" یعنی روح کی عطا سے انسانیت کی شروعات ہوئی۔

انسان کا جوہر ایک بلند حقیقت ہے جسے "انسانیت" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ "بشریت" انسانی وجود کی طبعی سطح ہے۔ بشر کیلئے لازمی ہے کہ وہ اپنی معنویت کی تلاش کرے۔ بشر کی جدوجہد انسان بننے کی جدوجہد ہے۔ تخلیقی طور پر آدمی کو اپنی بنی بنائی شخصیت نہیں ملتی بلکہ اُسے جہد و سعی کے ذریعہ اپنی شخصیت کی تعمیر کر کے انسانیت کے کمال کی طرف بڑھنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان بننے کا عمل ایک مسلسل ارتقائی عمل ہے: کیونکہ انسانی کمالات کے امکانات لامحدود ہیں۔

اسی وجہ سے محسنِ انسانیتؐ نے فرمایا کہ "علم حاصل کرو پیدائش سے قبر تک"۔ یعنی جب تک آپ میں زندگی کے سانس باقی ہے تلاش، سعی و جہد جاری رکھیں۔ اور اُسی سے آپ انسانی کمال کی طرف بڑھیں گے۔

تعمیر انسانیت کی سطح پر دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو تین ایسی نمایاں اور بنیادی خصائص سے نوازا ہے جو اُسے کائنات کی دیگر مخلوقات سے ممتاز بناتی ہیں۔ وہ تین خوبیاں یہ ہیں:

۱۔ خود آگاہی

رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (طٰہٰ۔۵۰)

"تمہارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی خلقت بخشی، پھر اس پر (زندگی و عمل کی) راہ کھول دی۔"

۲۔ آزاد ارادہ اور انتخاب کی صلاحیت

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا۔ (الدہر۔۳)

"ہم نے اس پر راہ عمل کھول دی۔ اب یہ اس کا کام ہے کہ یا شکر کرنے والا ہو یا ناشکرا!"

۳۔ تخلیق کی صلاحیت

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ؕ (علق۔۵)

"انسان کو ان چیزوں کا علم دیا جن کو وہ نہ جانتا تھا۔"

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِيۡنَ ؕ (مؤمنون۔١٦)

"پیدا کرنے والوں میں سب سے بہتر پیدا کرنے والا۔"

قرآن ان معنوں میں اللہ کے علاوہ خالقوں کو بھی تسلیم کرتا ہے۔ انسان کا یہی وہ تخلیقی عمل ہے جو اُسے تمام حیوانات سے ممتاز کرتا ہے اور اللہ کا خلیفہ اور رفیق بناتا ہے۔ چنانچہ جس انسان میں تخلیق (Creation) کی صلاحیت نہیں یا وہ اپنے اندر سمائی ہوئی اس صلاحیت کو بروئے کار نہیں لاتا وہ حیوانی سطح کی زندگی بسر کرتا ہے۔ اور اس نے انسانیت کی طرف اپنی جہد کا سفر ابھی شروع ہی نہیں کیا۔

انسان کی دیگر تمام صلاحیتیں ان تین صلاحیتوں کی شاخیں ہیں۔ خود آگاہی انسان کو صحیح اور آزاد انتخاب کی صلاحیت عطا کرتی ہے اور خود آگاہی اور آزاد ارادہ کے بدولت انسان ان چیزوں کو بنا سکتا ہے جو فطری طور پر بنی بنائی شکل میں موجود نہیں ہیں۔

جو چیزیں انسان کی ان مقامات تک رسائی کی راہ میں رکاوٹ ہیں، انسان پر لازم ہے کہ ان رکاوٹوں کو ہٹا کر ان خصوصیات کو حاصل کرے۔ قرآن جابجا ان رکاوٹوں کی نشاندہی کرتا ہے جو انسان کے انسان بننے کے عمل میں آڑے آتی ہیں۔ اور انسان کو خود آگاہی سے محروم کرتی ہیں۔ جو رکاوٹیں اس کے آزاد ارادہ اور انتخاب میں مخل بنتی ہیں اور جو رکاوٹیں اس کی تخلیقی صلاحیتوں پر پردے ڈالتی ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کو قرآن حکیم میں بطور نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں اپنی شخصیت کے شعور کو اس طرح حاصل کرلیا کہ اپنے ارد گرد وقت کی جابر اور غاصب طاغوتی قوت نمرود کے غلامانہ زندگی کے گھیراؤ اور وقت کی باطل اور گمراہی کی علامت آذری طریقہ زندگی سے حقارت و نفرت کرنی شروع کی۔ ان کی انسانیت جاگ اٹھی اور وہ خدا کی غلامی کے علاوہ کسی دوسرے کی غلامی پر نہ صرف غصے کا اظہار کیا بلکہ اپنے عمل سے اس کے مقابلہ کیلئے خود سینہ سپر ہوگئے۔

ان کے والد، آذری بت پرست مذہب کے امام تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام آزاد ارادہ کی خداداد صلاحیت سے اپنے گھر میں اپنے سماج سے بغاوت کی انتہائی آزمائشوں سے گذرے تو اس کے نتیجے میں اُسے تمام دنیا کے متقین کیلئے امام منتخب کیا گیا اور انہیں بڑی انسانی ملت کا بانیکار بنایا گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حاصل اعلیٰ مرتبہ کے پسمنظر میں ان کا عشق کا جذبہ کار فرما تھا۔ جس سے ایثار اور قربانی کا مجسمہ بن کر تمام انسانیت کیلئے ایک نمونہ کے طور پر سامنے آئے۔ چنانچہ وہ دینِ حنیف کی تشکیل کے بدولت انسانی دنیا کے لوگوں کیلئے ایسی مثال بن گئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عبدیت کے اظہار میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نسبت کی شرط رکھی۔ یہاں تک کہ عبارت خداوندی میں جب سر بسجود ہونے کے بعد قعدے میں بیٹھ کر جب تک دورود ابراہیم علیہ السلام نہ پڑھیں اور ان سے اور ان کی آل کے ساتھ نسبت اور خیر خواہی کا اظہار نہ کریں تو ان کی نمازیں قبولیت کا شرف حاصل نہیں کر سکیں گی۔ وہ ایسی مثال بن گئے کہ تمام دنیا کے توحید پرست حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر مکہ کی وادیوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت میں سرشار ہو کر ابراہیمی جذبۂ دیوانگی کو دہراتے ہوئے اپنی فدائیت کا عہد و پیمان کرتے ہیں۔ تو قبولیت کے دروازے ان کیلئے کھل جاتے ہیں۔